عائلی تنازعات کا شرعی حل

اور

شوہر کو حق طلاق کیوں؟

مولانا عتیق احمد بستوی

(استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

ناشر:

مجلس تحقیقات شرعیه

عائلی تنازعات کا شرعی حل

اور

شوہر کو حق طلاق کیوں؟

مولانا عتیق احمد بستوی

(استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

ناشر:

مجلس تحقیقات شرعیہ

ندوۃ العلماء، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب	:	عائلی تنازعات کا شرعی حل اور شوہر کو حق طلاق کیوں؟
مولف	:	مولانا عتیق احمد بستوی
صفحات	:	۴۰
سن اشاعت	:	اکتوبر ۲۰۲۲ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	......

ناشر

مجلس تحقیقات شرعیہ

ندوۃ العلماء، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

ملنے کے پتے:

۱- مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون 0522.2741439

۲- مکتبہ ندویہ، احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، فون 8960997707

فہرست مضامین

۱	مقدمہ: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم	۴
۲	پیش لفظ: مولانا مفتی عتیق احمد بستوی	۷
۳	نکاح کے بارے میں اسلامی تعلیمات	۹
۴	عائلی تنازعات کا شرعی حل	۱۱
۵	پہلا اقدام: وعظ ونصیحت، افہام وتفہیم	۱۴
۶	دوسرا اقدام: ہجر فی المضاجع	۱۴
۷	تیسرا اقدام: ہلکی مار پیٹ	۱۴
۸	طلاق ناپسندیدہ چیز	۱۸
۹	طلاق ایک ناگزیر ضرورت	۲۰
۱۰	طلاق کی ضرورت کا اعتراف	۲۰
۱۱	طلاق کا اختیار کس کو دیا جائے؟	۲۱
۱۲	کیا طلاق کا اختیار عدالت کو دینا مناسب ہے	۲۳
۱۳	عدالت کا اختیار طلاق اور شرح طلاق	۲۶
۱۴	سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ اور مسئلہ طلاق	۳۰
۱۵	ہندو کوڈ بل کا نقص	۳۱
۱۶	میاں وبیوی کی رضامندی سے طلاق	۳۲
۱۷	طلاق کا اختیار مرد ہی کو کیوں؟	۳۳
۱۸	فسخ نکاح بذریعہ قاضی	۳۵
۱۹	طلاق کے بارے میں ضروری ہدایات	۳۶
۲۰	تین طلاق کے بے جا استعمال پر تعزیر واجب ہے	۳۹

مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی خاتم النبیین، محمد بن عبد اللّٰہ الأمین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

اسلام نے عائلی نظام کو غیر معمولی اہمیت دی ہے، میاں بیوی، والدین واولاد کے حقوق وفرائض کو بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے، نکاح، طلاق، مہر ومیراث کے بہت سے احکام خود قرآن کریم نے بڑے واضح طور پر بیان فرمائے ہیں، اور ان پر عمل آوری کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

پوری انسانی تاریخ میں جب بھی انسانوں نے آسمانی وحی کو نظر انداز کر کے اپنے ذہن وفکر سے مرد اور عورت کے مقام ومرتبہ اور ان کی ذمہ داریاں اور حقوق طے کرنے کی کوشش کی ہے انسانی عقل ودماغ نے بڑی زبردست ٹھوکریں کھائی ہیں، اور انسانی سماج کا امن وسکون درہم برہم کر دیا ہے، جیسا کہ انسانی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، اور دور حاضر میں بھی مرد وعورت، شوہر وبیوی، والدین اور اولاد کے حقوق اور ذمہ داریوں کو طے کرنے میں مغرب کے اثر سے جو عدم توازن اور غیر عادلانہ طریقہ دنیا میں رائج ہو گیا ہے، اس نے دنیا کو تباہی کے دہانہ پر پہنچا دیا ہے، خاندانی نظام بکھر کر رہ گیا ہے، اور انسان ایک خود غرض، شہوت پرست حیوان بن کر رہ گیا ہے۔

اس کی سخت ضرورت ہے کہ خالق کائنات اللہ جل شانہٗ نے نبی آخر الزماں ﷺ کے ذریعہ قرآن وسنت کی شکل میں جو فطری، منصفانہ عائلی نظام انسانیت کو عطا کیا ہے اسے دنیا میں متعارف کرایا جائے، مسلمان خود اپنی خاندانی زندگی میں کتاب وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، اور اسلام کے عائلی قوانین (نکاح، طلاق، میراث وغیرہ) کا انسانیت کے

لئے رحمت ہونا اور معاشرتی زندگی کی کامیابی کا ضامن ہونا دنیا کے سامنے دو دو چار کی طرح واضح کریں۔

۱۹۶۳ء میں جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس تحقیقات شرعیہ قائم فرمائی تو اس کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ مسلم پرسنل لا کے تحت آنے والے موضوعات (نکاح، طلاق، میراث وغیرہ) پر ایسا لٹریچر تیار کرایا جائے جو نہ صرف اس موضوع کے بنیادی احکام کو واضح کرے بلکہ اس بابت اسلامی قانون کی معقولیت، اس کے مطابق عدل وفطرت ہونے کو واضح کرے، اور اسلام کے عائلی قوانین کے بارے میں جو شکوک وشبہات پیدا کئے جاتے ہیں ان کا ازالہ کرے، چنانچہ مجلس تحقیقات شرعیہ کے ابتدائی دور میں ایسی متعدد کتابیں اور رسالے شائع اور مقبول ہوئے۔

الحمدللہ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء از سر نو متحرک اور فعال ہوئی ہے، اس کے تحت مختلف علمی اور تحقیقی کام جاری ہیں، مسلم پرسنل کے موضوعات کی تفہیم وتشریح کے لئے وکلاء اور قانون دانوں کے ساتھ ماہانہ نشستوں کا سلسلہ بھی جاری ہے، اسی سلسلہ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ مسلم پرسنل لا کے موضوعات پر ایسی مختصر کتابیں یا کتابچے مختلف زبانوں میں شائع کئے جائیں جن سے اسلام کے قوانین اور تعلیمات کی پوری وضاحت ہو، اور ان کے بارے جو غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں ان کا ازالہ ہو۔

اسی پروگرام کے تحت جناب مولانا عتیق احمد بستوی جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سینئر استاذ ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سکریٹری اور دارالقضاء، کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے کنوینر ہیں، اور مسلم پرسنل لا کے موضوعات پر برابر لکھتے رہتے ہیں، ان کے دو رسالوں کو مجلس تحقیقات شرعیہ کی مطبوعات میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

دورِ حاضر میں اسلام کے جن قوانین پر بکثرت اعتراضات کئے گئے ہیں اور ان کے حوالہ سے اسلام کو بدنام کرنے کی ہر پیمانہ پر کوششیں ہوئی ہیں، ان میں ایک طلاق کا

مسئلہ ہے، شوہر کو طلاق کا اختیار دئے جانے کو مغربی مفکرین نے عورتوں کے حق میں ظلم اور حق تلفی قرار دیا ہے، جبکہ اسلام کا قانون طلاق سارے انسانوں کے لئے خصوصاً عورتوں کے لئے سراپا رحمت ہے، بشرطیکہ اس کا استعمال کتاب وسنت کے مطابق کیا جائے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کے سکریٹری (ناظم) مولانا عتیق احمد بستوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء نے طلاق کے موضوع پر بڑا تحقیقی اور فکر انگیز رسالہ لکھا ہے، جس میں مسئلہ طلاق پر کئے جانے والے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب اور تمام شبہات کا ازالہ ہے، یہ رسالہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے ''عائلی تنازعات کا شرعی حل اور شوہر کو حقِ طلاق کیوں؟'' کے نام سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے، اور بہت پسند کیا گیا ہے، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اس کی جدید اشاعت کا فیصلہ کیا، تصحیح اور نظر ثانی کے بعد اس کی اشاعت کی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ رسالہ دور دور تک پہنچے، اور اسلام کے نظام طلاق کے عادلانہ اور منصفانہ ہونے کو واضح کر سکے، اور طلاق کے سلسلہ میں پیدا کی جانے والی غلط فہمیوں کا اس کے ذریعہ ازالہ ہو۔

٦ / ربیع الاول ١٤٤٤ھ
٣ / اکتوبر ٢٠٢٢ء

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين محمد بن عبد اللّٰہ الأمين، وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ، أما بعد!

اسلامی شریعت کے جن احکام پر دور حاضر میں بکثرت اعتراضات کئے جاتے ہیں اوران کو بہانہ بنا کر اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس میں طلاق کا مسئلہ بھی ہے، اس وقت اسلام کا قانون طلاق موجودہ ہندوستانی حکومت اور ہندوستانی عدالت عالیہ کے نشانہ پر بھی ہے، ادھر دو تین سال میں عدالت عالیہ کے بعض فیصلے آئے اور ہندوستانی پارلیمنٹ میں طلاق کے بارے میں قانون سازی ہوئی، اوراب بھی سپریم کورٹ میں طلاق کے بارے میں کئی مقدمات زیر کاروائی ہیں، افسوسناک بات یہ ہے کہ طلاق کا مسئلہ جو خالص مذہبی مسئلہ ہےاور پرسنل لا کے دائرے میں آتا ہےاس کے بارے میں قانون سازی بالکل یکطرفہ طور پر مسلمان علماء اور ماہرین قانون سے کوئی مشورہ کئے بغیر اور مسلم خواتین کے مطالبات اورآوازوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، بلکہ انھیں پامال کرتے ہوئے کی گئی، جس سے مسلمان خواتین کا مسئلہ حل ہونے کے بجائے ان کے لئے مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوئیں، اس طرح مسلمانوں کے مذہبی حق کی پامالی ہوئی اور ملک کا سیکولر چہرہ داغدار ہوا۔

زیر نظر مضمون ''عائلی تنازعات کا شرعی حل اور شوہر کو حق طلاق کیوں؟'' چند سال پہلے تحریر کیا گیا، جبکہ اسلام کے قانون طلاق پر گرما گرم بحثیں ہورہی تھیں، اورطلاق کے خلاف پورے ملک میں ایک ماحول بنایا جارہا تھا، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس رسالہ کی اشاعت کی، اس کے متعدد ایڈیشن بورڈ نے شائع کئے ہندوستان کے ممتاز عالم

وفقیہ حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب (جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات) جو آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ کے موقر رکن بھی ہیں، انہوں نے اس مضمون کا انگریزی اور گجراتی ترجمہ کرا کر بڑی تعداد میں اس کو شائع کرایا، معہد الشریعہ لکھنؤ نے بھی اس کتاب کا ایک ایڈیشن شائع کیا، اس رسالہ میں اسلام کے قانون طلاق کو خالص عقلی انداز میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، اور قانون طلاق کے بارے میں کئے جانے والے اعتراضات کا سنجیدہ علمی جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ جس کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے ''اسلام کے عائلی قوانین (نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ) کے بارے میں ایسی کتابیں اور مضامین تیار کرانا جس سے ان قوانین کی بھرپور وضاحت ہو، ان پر کئے جانے والے اعتراضات وشبہات کے اطمینان بخش جوابات ہوں اور دوسرے عائلی قوانین سے ان کا موازانہ بھی کیا گیا ہو'' نے اپنے مقاصد سے ہم آہنگ پاکر اس رسالہ کو اپنی مطبوعات میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔

تصحیح ونظر ثانی کے بعد اس رسالہ کا تازہ ایڈیشن قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، امید ہے کہ قانون طلاق کی معنویت اور معقولیت سمجھانے میں یہ رسالہ مفید ومعاون ہوگا، اور اسلام کے قانون طلاق پر کئے جانے والے اعتراضات کا سنجیدہ اور اطمینان بخش جواب مطالعہ کرنے والوں کے سامنے آئے گا۔

اللہ تعالی سے یہ دعا ہے کہ اس خدمت کو قبول فرمائے اور مطالعہ کرنے والوں کے لئے نافع بنائے۔

عتیق احمد بستوی
ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۲/۹/۲۰۲۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نکاح کے بارے میں اسلامی تعلیمات

اسلام کی نظر میں نکاح وقتی لطف اندوزی کا معاہدہ نہیں ہے؛ بلکہ ایسا پائیدار اور قابل احترام رشتۂ الفت ومحبت ہے جسے زندگی کے آخری لمحہ تک برقرار رکھا جانا چاہئے، اسی لئے اسلام میاں و بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے اور رشتۂ نکاح برقرار رکھنے کی خاطر ایک دوسرے کی ناگوار اور خلاف مزاج باتوں کو انگیز کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جائز امور میں شوہروں کی اطاعت کریں؛ شوہروں کی اطاعت پر انھیں جنت کی بشارت سنائی گئی ہے، اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات یہ ہیں:

(۱) حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس عورت کا انتقال اس حال میں ہو کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو وہ جنت میں جائے گی۔ (ترمذی)

(۲) حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: عورت جب پنجوقتہ نمازیں پڑھے، ماہ رمضان کا روزہ رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ (حلیۃ الاولیاء لأبی نعیم)

(۳) حضرت ابو اسامہؓ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی مومن نے اللہ کے تقوی کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی چیز حاصل نہیں کی، جس کا حال یہ ہو کہ اگر شوہر اسے کسی بات کا حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اگر شوہر اسے دیکھے تو وہ شوہر کو خوش کر دے، اگر اس کے بھروسے شوہر کوئی قسم کھالے تو وہ شوہر کی قسم پوری

کرے اور شوہر کی عدم موجودگی میں اپنی ذات اور شوہر کے مال کے بارے میں شوہر کی خیر خواہی کرے۔(ابن ماجہ)

ازدواجی زندگی کو کامیاب اور خوشگوار بنانے کے لئے اگر ایک طرف بیوی کو شوہر کی اطاعت کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے تو دوسری طرف اس سے زیادہ تاکید شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، حتیٰ کہ بیوی ناپسند ہونے کے باوجود اس کے ساتھ خوش اسلوبی اور حسن معاشرت کے ساتھ عائلی زندگی گزارنے کا حکم ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے :

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا. (نساء:۱۹)

حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی مومن مرد کسی مومن عورت کو سخت ناپسند نہ کرے، اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری عادتیں پسندیدہ ہوں گی۔(مسلم)

اسلام نے مرد کے بہتر ہونے کی کسوٹی اسی کو قرار دیا ہے کہ اس کا رویہ بیوی کے ساتھ کیسا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے سب سے بہتر ہو اور میں تم سب میں اپنے اہل وعیال کے لئے سب سے بہتر ہوں۔(ترمذی اور دارمی)

ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانا مرد اور عورت دونوں کی ذمہ داری ہے، لیکن فیملی کا سربراہ ہونے کی وجہ سے مرد کی ذمہ داری بڑھی ہوئی ہے، میاں بیوی کے درمیان ناچاقی اور دوری پیدا ہونے کی صورت میں انتظامی سربراہ ہونے کی حیثیت سے شوہر کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنی ضد اور انا کو قربان کرتے ہوئے باہمی تعلقات درست

کرنے کے لئے پیش قدمی کرے، اگر تعلقات کا بگاڑ خود اس کے اپنے رویہ کی وجہ سے ہے تو اپنی اصلاح کرے، اپنا رویہ درست کرکے، بیوی کا دل جیتنے کی کوشش کرے، اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہے تو نرمی، خیر خواہی محبت اور حکمت کے ساتھ بیوی کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے، ردعمل اور جذبات میں فوری طور پر کوئی سخت قدم اٹھانے کے بجائے نتائج اور عواقب پر غور کرکے افہام وتفہیم کے ذریعہ اپنے ہرے بھرے ازدواجی گلستان کو خاکستر بننے سے بچالے۔

عائلی تنازعات کا شرعی حل

قرآن کریم نے عائلی تنازعات کو حل کرنے کے لئے مرحلہ وار مختلف اقدامات کا حکم دیا ہے ہمیں یقین ہے کہ اگر انھیں بروئے کار لایا جائے تو زیادہ تر تنازعات بڑی آسانی کے ساتھ ختم کئے جاسکتے ہیں، سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْراً، وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَماً مِنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحاً يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا۔ (نساء:۳۴-۳۵)

سورۂ نساء کی ان دو آیتوں میں میاں بیوی کے تنازعات کو حل کرنے کے لئے مرحلہ وار چار اقدامات کا ذکر ہے۔

آیت ۳۴ کے ابتدائی حصہ میں شوہر کو فیملی کا سربراہ و نگراں قرار دیا گیا ہے، کیونکہ دنیا کی کوئی اجتماعی وحدت ایک شخص کو سربراہ مقرر کئے بغیر حسن وخوبی کے ساتھ نہیں چل سکتی

اور گھر کی سربراہی کے لئے عام طور پر مرد ہی زیادہ موزوں ہوتے ہیں، افراد خانہ کو ڈسپلن کا پابند بنانے اور ان کی سرگرمیوں کو صحیح رخ دینے میں عموماً مرد زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔

شوہر کی قوامیت سے اس کا ڈکٹیٹر اور آمر مطلق ہونا مراد نہیں ہے؛ بلکہ قوام سے مراد گھر کی انتظامی سربراہی اور افراد خانہ کی ضرورت کا خیال رکھنا نیز ان کی تعلیم وتربیت کے لئے فکرمند اور کوشاں ہونا ہے۔

اس آیت میں مرد کو قوام (نگراں وسربراہ) بنانے کے دو اسباب ذکر کئے گئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا مرد کو عورت پر یک گونہ فضیلت عطا کرنا، اسی کی ترجمانی ایک دوسری آیت میں اس طرح کی گئی ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (بقرہ:۲۲۸)

(۲) بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے کی تمام ذمہ داریاں (تمام مالی ذمہ داریاں) شوہر کے ذمہ ہونا۔

اسی لئے ہمارے فقہاء صراحت کرتے ہیں کہ اگر بیوی مالدار اور صاحب ثروت ہو تو بھی اس کے نان ونفقہ اور رہائش کا بندوبست شوہر کے ذمہ لازم ہیں خواہ شوہر غریب ہی ہو، اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے اپنا خرچ خود اٹھاتی ہو، شوہر پر نان ونفقہ کا بار نہ ڈالتی ہو، بلکہ خود گھر کے اخراجات میں بھی اپنا پیسہ لگاتی ہو تو بھی اس کے شوہر کی قوامیت پر اثر نہیں پڑے گا؛ کیونکہ مرد کو قوام (نگران) مقرر کرنے کی اولین وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر یک گونہ فضیلت عطا فرمائی ہے، عموماً مردوں کو ان صلاحیتوں سے زیادہ مالا مال کیا ہے جن کی ضرورت گھر کی سربراہی میں پیش آتی ہے؛ لیکن خاندان کی تعمیر وتشکیل میں عورت کا حصہ مرد سے کسی طرح

کم نہیں، گھر کے داخلی امور کی ذمہ داری اور نگرانی تمام تر عورت کی ہوتی ہے، مرد اور عورت عائلی نظام میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں، ان دونوں کے باہمی تعاون اور اعتماد ہی سے گھر کا انتظام بہتر طور پر ہوسکتا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت ۳۴ میں نیک عورتوں کی دو صفات بیان کی گئی ہیں:

(۱) نیک عورتیں شوہروں کی اطاعت گذار ہوتی ہیں۔

(۲) شوہر کی عدم موجودگی میں بھی اس کی آبرو اور مال کی حفاظت کرتی ہیں، اس آیت میں مذکور نیک بیویوں کی دونوں صفات کی وضاحت اوپر ذکر کردہ احادیث سے ہوتی ہے۔

''حٰفِظٰت للغیب'' کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نیک بیویاں اپنے شوہروں کی رازدار اور پردہ پوش ہوتی ہیں، ازدواجی زندگی میں رازداری اور پردہ پوشی بہت اہم اور ناگزیر صفت ہے، اسی کلیدی صفت کو ایک آیت میں معجزانہ بلاغت کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ (بقرہ:۶۹)

(وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو)

اگر کوئی عورت رازدار نہیں ہے، شوہر کی جو باتیں اسی تک محدود رہنی چاہئے اسے دوسروں تک پہنچاتی ہے، شوہر کے حریم کا تقدس برقرار نہیں رکھتی، شوہر کی عدم موجودگی میں غیر متعلق اور ناپسندیدہ افراد کو گھر میں جگہ دیتی ہے تو ایسی عورت شوہر کے لئے سوہان روح ہوتی ہے، اس کی عائلی زندگی کو خوشگوار بنانے کے بجائے بے مزہ اور تلخ بنا دیتی ہے۔

اس آیت میں نیک بیوی کی صفات بیان کرنے کے بعد ان عورتوں کو راہ راست پر لانے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے جو نیک بیوی کی صفات اپنے اندر نہیں رکھتیں، اپنی ازدواجی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتیں، جائز امور میں شوہر کی اطاعت نہیں کرتیں، شوہر کے مال و آبرو کی حفاظت نہیں کرتیں، بدمزاج یا بدچلن ہوتی ہیں، ایسی عورتوں کو راہ راست

پر لانے کے لئے شوہروں کو مرحلہ وار تین اقدامات کی تعلیم دی گئی ہے۔

پہلا اقدام: وعظ ونصیحت، افہام وتفہیم

وعظ کا مفہوم ہے پوری فکر مندی، نرمی اور خیر خواہی سے بار بار سمجھانا، خدا کا خوف دلانا، آخرت کی باز پرس سے ڈرانا، اگر عورت کی طرف سے نافرمانی اور بے راہ روی کی صورت میں شوہر عورت کے مزاج ونفسیات کو پہچان کر خیر خواہی اور فکر مندی کے جذبہ کے ساتھ اسے افہام وتفہیم کے ذریعہ راہ راست پر لانے اور اصلاح کرنے کی کوشش کرے گا تو انشاء اللہ اسے کامیابی حاصل ہوگی، وعظ سے مراد محض ڈانٹ پھٹکار اور غصہ کا اظہار نہیں ہے، عورت کی عزت نفس کا خیال کئے بغیر بے موقع ڈانٹ پھٹکار سے اکثر اوقات عورت کا آبگینۂ دل چکنا چور ہوجاتا ہے اور اس کی اصلاح ہونے کے بجائے اس میں ایک طرح کی ضد پیدا ہوجاتی ہے۔

دوسرا اقدام: ہجر فی المضاجع

اگر وعظ وتذکیر سے عورت کی اصلاح نہ ہوسکے تو شوہر اپنے طرز عمل سے بے رخی اور خفگی کا اظہار کرے، ہجر فی المضاجع کا مفہوم بعض مفسرین نے ترک جماع بتایا ہے اور بعض نے ترک کلام، بعض مفسرین نے خواب گاہ میں بستر پر لیٹے ہوئے رخ دوسری طرف پھیر لینا بیان کیا ہے، ان سب اقوال کا حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنے رویہ اور طرز عمل میں تبدیلی لاکر اپنی ناراضگی عورت پر ظاہر کردے، بعض عورتوں کو راہ راست پر لانے میں یہ تدبیر زیادہ مؤثر اور کارگر ہوتی ہے۔

تیسرا اقدام: ہلکی مار پیٹ

اصلاح کی اوپر ذکر کردہ دونوں تدبیروں کے ناکام ہونے پر شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر شوہر کو اس بات کی پوری توقع ہو کہ ہلکی مار سے عورت کی اصلاح ہوجائے گی اور وہ راست راست پر آجائے گی تو شوہر یہ اقدام بھی کرسکتا ہے، لیکن

اس سلسلے میں چند شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) عورت کو مارنا اس سے انتقام لینے اور اپنے جذبات غضب کی تسکین کے لئے نہ ہو؛ بلکہ اس کی اصلاح کی خاطر ہو، انتقامی جذبہ کے ساتھ مارنے میں اصلاح کے بجائے تعلقات خراب ہونے اور دوری بڑھنے کا زیادہ اندیشہ ہے۔

(۲) عورت کی کھلی ہوئی بے راہ روی اور نافرمانی دیکھ کر شوہر قرآن کی بتائی ہوئی دو ابتدائی اصلاحی تدبیروں کو آزما چکا ہو، ان تدبیروں سے عورت کی اصلاح نہ ہوسکی ہو اور شوہر کو پوری امید ہو کہ ہلکی مار مارنے سے بیوی بھی راہ راست پر نہ آسکے گی، اور اس کی اصلاح کی کوئی امید نہ ہو تو محض اصلاحی کورس پورا کرنے کے لئے بیوی کو مارنا درست نہیں ہے۔

(۳) صورت حال جو بھی ہو شوہر کو اس بات کی اجازت نہیں کہ بیوی کو شدید طور پر زدوکوب کرے، مختلف احادیث میں بیوی کو اس طرح مارنے سے منع کیا گیا ہے کہ اسے شدید چوٹ آئے یا اس کا جسم زخمی اور لہولہان ہو جائے، یا ہڈی ٹوٹ جائے یا جسم پر مار کے نشانات ظاہر ہوں، چہرہ اور جسم کے نازک ترین اعضاء پر مارنا بالکل ممنوع ہے خواہ ہلکی مار ماری جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو؛ کیونکہ تم لوگوں نے عورتوں کو اللہ کی امانت میں لیا ہے اور اللہ کے نام پر ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ کسی اجنبی کو تمہارے بستر پہ نہ آنے دیں، اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو انھیں ہلکے طور پر مارو، تم پر ان کا حق یہ ہے کہ ان کے کھانے اور رہائش کا نظم دستور کے مطابق کرو۔ (احکام القرآن للجصاص: ۱۵/۳۰)

(۴) عورت کی بے راہ روی اور نافرمانی کی صورت میں دو ابتدائی اصلاحی تدبیروں کے ناکام ہونے پر ہلکی زدوکوب کا استعمال شوہر کے لئے لازم یا افضل نہیں ہے؛

بلکہ بدرجۂ مجبوری اس کی صرف اجازت ہے، اسلام کسی بھی حال میں بیوی کو زدوکوب کرنے کی ترغیب اور ہمت افزائی نہیں کرتا؛ بلکہ اس کی ہمت شکنی کرتا ہے، اسلامی قانون میں بعض حالات میں بعض شرطوں کے ساتھ عورت کو ہلکی مار مارنے کی گنجائش بھی اس لئے رکھی گئی ہے کہ انسانی سوسائٹی کے بعض طبقوں میں عائلی زندگی کو قائم رکھنے اور بہتر بنانے میں اس سے چارۂ کار نہیں ہوتا، ورنہ اسلام ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے جس میں عورتوں کی عزت نفس کا پورا احترام ملحوظ ہو، انھیں مارنا تو دور کی بات ہے انھیں سخت سست بھی نہ کہا جائے۔

عہد نبوی میں ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ بعض حضرات نے رسول اکرم ﷺ سے بیوی کی زبان درازی اور بدزبانی کی شکایت اس مقصد سے کی کہ انھیں بیوی کو مارنے کی اجازت دے دی جائے، تو آپ ﷺ نے مارنے کی اجازت دینے کے بجائے رشتۂ نکاح ختم کرنے کا مشورہ دیا۔

مشہور تابعی حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ ''بیوی اگر شوہر کے حکم یا ممانعت کی مخالفت کرے تو بھی اسے شوہر نہ مارے گا؛ بلکہ اس پر غصہ ہوگا'' قاضی ابن العربیؒ نے حضرت عطاؒ کی اس رائے کو ان کے عظیم تفقہ، فہم شریعت اور مواقع اجتہاد کی واقفیت کا ثمرہ قرار دیا ہے۔ (احکام القرآن لابن العربی: ۱/۵۳۶)

بیویوں کو زدوکوب کرنے کے بارے میں منشاء شریعت کیا ہے اس پر درج ذیل حدیث سے پوری روشنی پڑتی ہے۔

حضرت ایاس بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو (یعنی بیویوں کو) نہ مارو، اس کے بعد حضرت عمر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: عورتیں اپنے شوہروں کے خلاف بہت جری اور نافرمان ہوگئی ہیں، حضرت عمرؓ کی اس شکایت پر رسول اکرم ﷺ نے بیویوں کو مارنے کی اجازت دی، اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس بہت سی عورتوں نے اپنے شوہروں کی

شکایت لے کر چکر لگائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کی زدوکوب کی شکایت لے کر آئیں، جو لوگ اپنی بیویوں کو زدوکوب کرتے ہیں وہ تم میں سے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ (ابوداود، ابن ماجہ، دارمی)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بیویوں کو مارنے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن زدوکوب پر مکمل پابندی عائد کرنے سے سماج کے بعض طبقوں میں عورتوں کے سرکش اور نافرمان ہونے کے خطرے کے پیش نظر (جس کی طرف حضرت عمرؓ نے توجہ دلائی) زدوکوب پر قطعی پابندی بھی عائد نہیں کی۔

اگر میاں بیوی اپنے اختلاف کو اپنے طور پر حل نہ کر سکے، دونوں کی باہمی کشاکش حد درجہ بڑھ گئی تو اس کشیدگی اور کشمکش سے صرف وہی دونوں متاثر نہیں ہوتے بلکہ دونوں کے خاندان اور سماج پر اس کے برے اثرات پڑتے ہیں، ان دونوں کا مسئلہ اب ان کا پرائیویٹ مسئلہ نہیں رہا بلکہ سماج کا مسئلہ بن گیا، اس لئے اس مرحلہ میں مسلم سماج کو یا قاضی کو (جو مسلم سماج کے اجتماعی مصالح کا نگراں بھی ہے) ان دونوں کا الجھا ہوا مسئلہ سلجھانے کی قرآن نے دعوت دی، اسی کا طریقہ سورۂ نساء کی آیت ۳۵ میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ میاں و بیوی کے تعلقات جب حد درجہ خراب ہو گئے اور اس کی امید ختم ہو گئی کہ دونوں اپنا مسئلہ خود سلجھا سکیں تو قاضی یا مسلم سماج اس مسئلہ کا تصفیہ کرنے کے لئے دو پنچ مقرر کرے، ایک پنچ شوہر کے خاندان کا ہو اور دوسرا بیوی کے خاندان سے، یہ دونوں پنچ (حکمین) دیندار، معاملہ فہم اور مخلص ہونے چاہئے، ان کا کام یہ ہے کہ دونوں کی شکایت اور اختلافات کی روداد سن کر دونوں کی بدگمانی دور کرنے اور دونوں کا دل جوڑنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دونوں پنچ اگر خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ اصلاح حال کی کوشش کریں گے تو میاں و بیوی میں جوڑ اور ہم آہنگی کی شکل پیدا ہو جائے گی، اسی لئے حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ اگر حکمین (دونوں پنچ) آکر یہ

رپورٹ دیتے ہیں کہ ہم لوگوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود میاں و بیوی میں ملاپ کی شکل پیدا نہ ہوسکی تو حضرت عمرؓ انھیں تنبیہ فرماتے کہ آپ لوگوں نے اصلاح کی پوری کوشش نہیں کی، دوبارہ کوشش کیجیے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر حکمین اصلاح حال کے مقصد سے کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ میاں و بیوی میں ہم آہنگی اور جوڑ پیدا کردے گا۔

اگر حکمین اصلاح حال میں کامیاب نہ ہوسکے اور ان کے نزدیک میاں بیوی کے تنازعہ کا واحد حل رشتۂ نکاح کو ختم کردینا ہے، اس صورت میں اگر شوہر بھی رشتۂ نکاح ختم کرنے پر آمادہ ہے تو مسئلہ آسان ہے، لیکن اگر شوہر اس پر آمادہ نہیں ہے تو کیا دونوں پنچوں (حکمین) کو شوہر کے آمادہ نہ ہونے کے باوجود رشتۂ نکاح ختم کرنے کا اختیار رہے، اس میں ہمارے فقہاء کی دو رائیں ہیں، امام مالکؒ کے نزدیک اگر پنچوں کے نزدیک نکاح ختم کرنا ہی اس تنازعہ کا حل ہے تو وہ لوگ شوہر کے آمادہ نہ ہونے کے باوجود نکاح ختم کرسکتے ہیں اور اکثر فقہاء کے نزدیک پنچوں کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

میاں و بیوی کے تنازعات کو ختم کرنے کے لئے اور ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے سورۂ نساء آیت: ۳۴-۳۵ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چار اقدامات تجویز کئے گئے ہیں اگر شریعت کے بتائے ہوئے اصول وہدایت کی روشنی میں انھیں روبہ عمل لایا جائے تو اکثر خانگی جھگڑے خود ہی رفع دفع ہوجائیں گے ان شاء اللہ، اور طلاق اور تفریق کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

طلاق ناپسندیدہ چیز

اسلام طلاق کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا مختلف احادیث میں رسول اکرم ﷺ نے طلاق کے انتہائی ناپسندیدہ ہونے کو واضح کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ''حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے''۔ (ابوداؤد)

جس طرح انتہائی مجبوری کے بغیر شوہر کی طرف سے اقدام طلاق سخت ناپسندیدہ ہے اسی طرح معقول سبب کے بغیر بیوی کا مطالبۂ طلاق اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والا اقدم ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

جس عورت نے بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا اس کے لیے جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (احمد، ترمذی وابوداؤد)

ابلیس میاں و بیوی کے درمیان تفریق سے کس قدر خوش ہوتا ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے۔

''حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر اپنے لشکر مختلف سمتوں میں روانہ کرتا ہے، اس کا سب سے مقرب شیطان وہ ہوتا ہے جو فتنہ پردازی میں سب سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، اس کا ایک چیلا آکر اپنی کارگذاری بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ یہ کام کئے، ابلیس کہتا ہے: تم نے کوئی بڑا کام نہیں کیا، پھر ایک شیطان آکر اپنی کارگذاری بیان کرتا ہے کہ فلاں شخص کو بہکاتا ہی رہا یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرادی، ابلیس اس شیطان کو قریب بلا کر کہتا ہے کہ تم نے کارنامہ انجام دیا ہے، ابلیس شیطان کو گلے لگا لیتا ہے۔'' (مسلم شریف، کتاب صفۃ المنافقین واحکامھم، باب تحریض الشیطان)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں و بیوی کے درمیان تفریق ایسا عمل ہے جس پر ابلیس کو بے پناہ مسرت ہوتی ہے اور تفریق کا کارنامہ انجام دینے والے شیطان کو ابلیس شاباشی دیتا ہے اسے گلے لگا لیتا ہے، طلاق و تفریق پر ابلیس کے اس قدر خوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں گھر برباد ہوتا ہے، دو خاندانوں میں عداوت مستحکم ہو جاتی ہے اور ابلیس کو اس وجہ سے فتنہ پردازی اور گمراہی پھیلانے کے بے پناہ مواقع حاصل ہو جاتے ہیں۔

طلاق ایک ناگزیر ضرورت

رشتۂ نکاح کا ختم کیا جانا یا طلاق دینا خواہ کتنا ہی ناپسندیدہ عمل ہو لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ عمل کبھی انتہائی ناگزیر ضرورت بن جاتا ہے، بعض اوقات میاں وبیوی میں مزاجی ہم آہنگی نہیں ہو پاتی، دونوں شریف اور دیندار ہونے کے باوجود نباہ نہیں کر پاتے، کیوں کہ دونوں کے عادات واطوار اور مزاج میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے، اس طرح کے حالات میں اصلاح حال اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششوں کے ناکام ہونے کے بعد دونوں کو جبراً نکاح کی قانونی رسی سے باندھے رکھنا نہ ان کے لئے مفید ہوگا نہ سماج کے لئے، ازدواجی زندگی باہمی الفت ومحبت، اعتماد وتعاون کی فضا ہی میں پروان چڑھ سکتی ہے، بدگمانی، بے اعتمادی، نفرت وعداوت کے ماحول میں نکاح کے مقاصد کسی طرح پورے نہیں ہو سکتے۔

اس لئے اسلام نے اس طرح کے حالات میں نکاح ختم کرنے کا راستہ کھلا رکھا ہے اور طلاق وتفریق کو ناپسند کرنے کے باوجود اس پر کامل پابندی عائد نہیں کی، زندگی کی ناگزیر ضرورتوں کو فنا نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا ان کا مناسب بندوبست کیا جانا چاہئے، شہر کے ترقی یافتہ اور فیشن ایبل محلوں میں بھی زیر زمین سیور لائن ڈالنی پڑتی ہے، اگر کسی شہر کی بلدیہ (میونسپلٹی) فیصلہ کر لے کہ ہمارے شہر میں گندی نالیوں کی ضرورت نہیں ہے اور وہ تمام گندی نالیاں بند کرا دے تو اس شہر کا کیا حال ہوگا؟ تمام سڑکیں اور راستے گندے پانی اور کیچڑ سے ناقابل عبور بن جائیں گے، بدبو اور سڑاند سے برا حال ہوگا۔

طلاق کی ضرورت کا اعتراف

سو پچاس سال پہلے اسلامی قانون میں طلاق کی گنجائش رکھے جانے کی وجہ سے جو بھی اعتراضات کئے گئے ہوں: لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ جس بات کو اسلام کا عیب قرار دیا جا رہا تھا وہ اس کی خوبی نکلی اور کسی نہ کسی شکل میں اسلام کے تصور طلاق کو تمام مذاہب اور

قوانین نے اختیار کرلیا۔

ہندو مذہب میں (آخری صدیوں کے اس کے ترجمانوں کے بہ قول) طلاق کی گنجائش نہیں تھی لیکن بالآخر ہندوستان کی پارلیمنٹ میں ہندو اراکین پارلیمنٹ کے ذریعہ ہندو کوڈ بل منظور ہوا، جس میں طلاق کی دفعہ شامل کی گئی، اگر چہ جن پابندیوں اور شرطوں کے ساتھ ہندو کوڈ بل میں طلاق کی گنجائش رکھی گئی ہے اس سے ہندو سماج کی طلاق کی ضرورتیں کما حقہ پوری نہیں ہو پارہی ہیں، اس لئے بعض دفعہ ہندو شوہروں کو ناپسندیدہ بیویوں سے رہائی کے لئے تبدیلی مذہب تک کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

عیسائیوں کے یہاں طلاق کی گنجائش نہیں تھی، لیکن رفتہ رفتہ تمام عیسائی ممالک میں سماج کے مسلسل مطالبہ اور دباؤ سے طلاق کے قوانین منظور کرلئے گئے، طلاق کا مطالبہ کرنے والے صرف مرد نہیں تھے بلکہ عورتوں کی تنظیمیں اس مطالبہ میں سرگرم اور پیش پیش تھیں، مغربی ممالک میں طلاق کی اجازت کا اختیار کورٹ (عدالت) کے ہاتھ میں دے دئے جانے کے باوجود طلاق کی شرح مسلسل بڑھتی چلی جارہی ہے اور نکاح وطلاق کھیل تماشہ بن کر رہ گیا ہے، عائلی زندگی کا سکون درہم برہم ہے۔

طلاق کا اختیار کس کو دیا جائے؟

اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ بعض حالات میں طلاق ایک ناگزیر انسانی ضرورت ہے اور رشتۂ نکاح کے مکمل طور پر ناکام ہوجانے کے باوجود میاں وبیوی کو جبرا نکاح کے بندھن میں باندھے رکھنا دونوں پر اور سماج پر کھلا ہوا ظلم ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلاق کا اختیار کس کے ہاتھ میں دینا قرین انصاف اور کم ضرر رساں ہے؟ اس سلسلے میں درج ذیل امکانات ہیں۔

(۱) طلاق کا اختیار مشترکہ طور پر میاں وبیوی دونوں کو سونپا جائے، جس طرح دونوں کی رضامندی سے نکاح وجود میں آیا تھا اسی طرح نکاح کو ختم کرنا بھی دونوں

کے باہمی مشورے اور اتفاق سے ہو، اسلامی شریعت اس سے اتفاق کرتی ہے، اگر مرد اور عورت باہمی رضامندی سے رشتۂ نکاح ختم کرنا چاہتے ہیں تو انھیں اس کا اختیار ہے، اس کو فقہ اسلامی میں خلع کا نام دیا گیا ہے، خود قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں خلع کی اجازت کا ذکر ہے لیکن اسلامی شریعت میں نکاح ختم کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں، بلکہ اس کے اور بھی طریقے ہیں جیسا کہ آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

(۲) نکاح ختم کرنے کا اختیار تنہا مرد کو حاصل ہو، اسلامی شریعت نے اس صورت کو اختیار کیا ہے، بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ جو عقد نکاح مرد اور عورت کے باہم اتفاق سے وجود میں آیا اسے ختم کرنے کا اختیار تنہا ایک فریق (شوہر) کو دیدیا گیا لیکن مختلف دوررس حکمتوں کے پیش نظر (جن کی کچھ وضاحت آئندہ آنے والی ہے) اللہ جل شانہ نے طلاق کا اختیار مرد کو تفویض کر دیا، اسی کے ساتھ مرد کو ہدایات دی گئیں کہ وہ اپنے اختیار طلاق کا بیجا استعمال نہ کرے، اور طلاق دینے کا حکیمانہ طریقہ بھی کتاب وسنت میں بتایا گیا۔

(۳) تیسرا امکان یہ ہے کہ تنہا عورت کو طلاق کا اختیار سونپا جائے، اسلامی شریعت اس سے اتفاق نہیں کرتی، اسلامی قانون میں نکاح ختم کرنے کے سلسلے میں عورت کو بااختیار نہیں بنایا گیا ہے اور ایسا عورت کے مفاد میں کیا گیا ہے، عورت کو اختیار طلاق نہ دینے کے اسباب پر آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی گئی ہے، تنہا عورت کو حق طلاق نہ دینے کے باوجود اسلامی شریعت نے اس بات کو یقینی بنانا چاہا ہے کہ عورت پر ظلم وزیادتی نہ ہو اسلئے اگر شوہر عورت کے حقوق ادا نہیں کرتا یا اسپر ظلم وستم کرتا ہے تو عورت کو قاضی کی عدالت میں نالش کر کے دعویٰ ثابت ہونے پر نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ طلاق کا اختیار نہ شوہر کو ہو اور نہ بیوی کو بلکہ طلاق واقع کرنے یا طلاق کی اجازت دینے کا حق عدالت کو دیا جائے، شوہر اور بیوی میں

سے جو شخص نکاح ختم کرانا چاہتا ہو وہ عدالت میں جا کر اپنے مطالبۂ طلاق کے اسباب شواہد اور ثبوت کے ساتھ بیان کرے، جج دوسرے فریق کو طلب کر کے رفع الزام کا موقع دے، جج کی نگاہ میں اگر اس کا مطالبہ معقول اسباب پر مبنی ہو تو دونوں کا نکاح ختم کر دے ورنہ طلاق کی درخواست کو خارج کر دے۔

دور حاضر میں انسانوں کے وضع کردہ عائلی قوانین میں عموماً طلاق کا اختیار عدالت کو سونپا گیا ہے اور یہ دعویٰ کیا جاتا رہا ہے کہ مرد کے ہاتھ سے طلاق کا اختیار چھین کر عدالت کے ہاتھ میں دینے سے طلاق کی شرح کم ہوگی، عورتوں پر مظالم کا سلسلہ موقوف ہوگا، ان کے عائلی حقوق کا تحفظ ہوگا، اسلام اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں کرتا، آئندہ اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ جن ممالک میں کورٹ کے ذریعہ طلاق کا قانون ایک مدت سے نافذ ہے ان کی جائزہ رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ کورٹ کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دینے سے طلاق کی شرح میں کمی کے بجائے اضافہ ہوا اور عورتوں پر مظالم میں کوئی کمی نہیں آئی، اس قانون سے عورتوں اور سماج کا فائدہ کم اور نقصان بہت زیادہ ہوا۔

کیا طلاق کا اختیار عدالت کو دینا مناسب ہے؟

سب سے پہلے اس نقطہ پر گفتگو کر لینا ضروری ہے کہ اسلامی شریعت نے طلاق کا اختیار کلیۃً عدالت کے ہاتھ میں کیوں نہیں دیا؛ حالانکہ یہی صورت بہ ظاہر سب سے زیادہ معقول نظر آتی ہے؛ کیوں کہ شوہر اور بیوی اس معاملہ کے دو فریق ہیں، ان میں سے ہر ایک بعض اوقات وقتی تأثر سے مغلوب ہو کر طلاق کا مطالبہ کر سکتا ہے، اس کے برخلاف جج ایک غیر جانبدار اور سمجھدار شخص ہے، وہی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ طلاق کا مطالبہ کسی فوری ردعمل اور وقتی تأثر کی بنا پر ہے یا واقعتاً دونوں کے درمیان خلیج اتنی بڑھ چکی ہے کہ اب رشتۂ نکاح باقی رہنے کی گنجائش نہیں۔

اس نقطہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے رشتۂ نکاح کی صحیح نوعیت

اچھی طرح ذہن نشیں کی جائے۔

نکاح خشک قانونی رشتہ نہیں ہے، رشتۂ نکاح کی کامیابی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ میاں و بیوی کے درمیان الفت و محبت ہو، دونوں کو ایک دوسرے پر کامل اعتماد ہو، میاں و بیوی کے درمیان الفت، محبت، یگانگت اور اعتماد کے بغیر محض خشک قانونی بندھن سے رشتۂ نکاح کو باقی نہیں رکھا جا سکتا اور اگر یہ بے روح نکاح کسی طرح باقی بھی رکھا گیا تو بیش بہا نعمت اور فرحت ہونے کے بجائے دونوں کو قید و بند اور عذاب محسوس ہوگا۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ ازدواجی رشتہ بہت حساس اور نازک ہے، بیوی سے شوہر کا دل اچاٹ ہونے اور شوہر کے دل میں نفرت کے جذبات مستحکم ہونے کے اسباب اتنے کثیر اور متنوع ہیں کہ ان میں سے اکثر کو عدالت کی گرفت میں نہیں لایا جا سکتا اور کبھی طلاق کے اسباب اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ انھیں عدالت میں زیر بحث لانا عورت کے مفاد میں نہیں ہوتا، بلکہ انھیں راز میں رکھنا ہی عورت کی بھی خواہی ہوتی ہے، ان اجمالی اشارات کو چند مثالوں سے سمجھئے :

(۱) فرض کیجئے خالد اور زینب کا آپس میں نکاح ہوا، دونوں اپنی جگہ نیک اور شریف ہیں؛ لیکن دونوں کی عادات اور مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہے، مزاجی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں میں معمولی معمولی باتوں پر رنجش ہوتی رہی، روز روز کی ناچاقی اور رنجش نے نفرت کی شکل اختیار کر لی، اب خالد کے دل میں زینب کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، ایسی صورت میں خالد زینب سے نکاح ختم کرنا چاہتا ہے، اب اگر وہ عدالت میں جا کر مطالبۂ طلاق کی صحیح وجہ بیان کرتا ہے تو عدالت اسے طلاق کی اجازت نہیں دیتی، کیوں کہ عدالت کی نظر میں زینب سے کوئی ایسی نامناسب حرکت سرزد نہیں ہوئی کہ اسے طلاق کا مستحق ٹھہرایا جائے، اب خالد کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو وہ زینب پر غلط الزامات (بدکرداری وغیرہ کے الزامات) لگا کر اور جھوٹے گواہ پیش کر کے اس سے چھٹکارا

حاصل کرے، ایسی صورت میں خالد تو سخت گنہگار ہوگا ہی ،اس کے ساتھ ساتھ زینب کا کردار سماج کی نگاہ میں داغدار ہو جائے گا اور اس کے لئے کوئی دوسرا رشتہ ملنا انتہائی دشوار ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ خالد زینب سے آخری درجہ میں بیزار ہونے کے باوجود عدالت کے فیصلہ سے مجبور ہو کر اسے اپنے حبالۂ عقد میں رکھے، ظاہر ہے کہ جب خالد کا دل زینب سے اچاٹ ہو چکا ہے اور اس کے دل میں نفرت کے جذبات مستحکم ہو چکے ہیں تو زینب کے ازدواجی حقوق کیا ادا کر پائے گا، ممکن ہے کہ وہ خدا کے خوف سے یا قانون کے ڈر سے زینب کا نان ونفقہ دیتا رہے؛ لیکن زینب کو خالد کے گھر میں وہ محبت ویگانگت کہاں ملے گی جس کی اہمیت اور ضرورت نان ونفقہ سے کہیں زیادہ ہے۔

(۲) شوہر، بیوی کے بارے میں حد درجہ غیور ہوتا ہے، فرض کیجئے اسے اپنے بیوی کے بارے میں بدکرداری کی شکایت ہے، شوہر کی بار بار تنبیہ اور سرزنش کے باوجود بیوی اپنی اصلاح نہیں کرسکی اور عادت بد میں مبتلا ہے، شوہر نے مجبوراً رشتۂ نکاح توڑنے کا فیصلہ کیا، اگر شوہر کو تنہا طلاق دینے کا اختیار ہوتا تو وہ خاموشی کے ساتھ طلاق دے کر بیوی کو رخصت کر دیتا، اس طرح شوہر راحت کی سانس لیتا اور بیوی کا رسوا کن راز افشاء نہ ہوتا، ممکن ہے کہ وہ بدچلنی سے توبہ کر کے کسی دوسرے شخص کی زوجیت میں آجاتی، لیکن طلاق کا اختیار کورٹ کو دینے کے بعد میاں بیوی کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں، اگر شوہر عدالت میں جا کر صحیح صورتحال بیان کر کے طلاق کا مطالبہ کرتا ہے تو عورت جج کے فیصلہ سے پہلے ہی اخلاقی اور سماجی موت مر چکی ہوتی ہے، اس کی حیثیت عرفی بری طرح مجروح ہو جاتی ہے، (خواہ اسے عدالت الزام سے بری کردے) وہ کہیں منھ دکھانے کے لائق نہیں رہتی، خدانخواستہ کہیں اگر یہ کیس وکیلوں اور صحافیوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تب تو الامان والحفیظ۔

ظاہر ہے کہ اگر فرضی واقعات نہ گڑھے جائیں اور جھوٹے گواہ نہ کھڑے کئے جائیں تو بدکرداری کا دعویٰ ثابت کرنا آسان نہیں ہے؛ لہٰذا شوہر نے اگر سچائی ہی پر اکتفا کیا

تو وہ اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکے گا اور اسے طلاق دینے کا حق عدالت سے نہ مل سکے گا، ایسی صورت میں وہ بیوی کے ساتھ ازدواجی رشتہ کے تقاضوں کو کس طرح برت سکتا ہے؟ قانوناً، خواہ دونوں کا نکاح باقی رہے؛ لیکن عملاً دونوں بے نکاح کی طرح بلکہ اس سے بدتر رہیں گے، خصوصاً عورت بڑی مصیبت میں گرفتار رہے گی، اس طرح کے واقعات میں بہت سے غیرت دار اور شریف شوہر اپنے خاندان کی بدنامی کے خوف سے عدالت میں مقدمہ لے ہی نہیں جاتے اور خون کے گھونٹ پی کر رہتے ہیں، رشتۂ نکاح ان کے لئے نعمت اور رحمت بننے کے بجائے شدید ترین ذہنی، نفسیاتی اور مالی عذاب بن جاتا ہے۔

عدالت کا اختیار طلاق اور شرح طلاق

طلاق کا اختیار عدالت کے ہاتھ میں دینے سے طلاق کے واقعات میں کمی یا اضافہ کا انحصار اس بات پر ہے کہ قانون میں اسباب طلاق کا دائرہ خوب وسیع کیا گیا ہے یا انتہائی تنگ رکھا گیا ہے، جن ممالک میں اسباب طلاق کا دائرہ خصوصا عورت کے تعلق سے کافی وسیع رکھا گیا ہے وہاں عدالت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دینے سے طلاق کی شرح گھٹنے کے بجائے کافی بڑھی ہے، بیوی کو کسی بات پر شوہر سے شدید ناراضگی ہوئی، شدید وقتی تأثر سے مغلوب ہو کر اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ شوہر کے ساتھ میرا نباہ نہیں ہوسکتا اس نے عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ کر دیا، عدالت کی نگاہ میں اتنی بات نکاح ختم کرنے کے لئے کافی ہے کہ عورت کسی حال میں شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں ہے، جج نے نکاح ختم کر دیا کیوں کہ عدالت کی نگاہ میں بیوی کا نکاح ختم کرنے پر اصرار اسے شوہر کی جانب سے کوئی زبردست اذیت پہنچنے ہی کی وجہ سے ہوگا، خواہ عورت اسے ثابت نہ کرسکی ہو عورت کو ہر حال میں مظلوم قرار دیئے جانے کا موجودہ تصور اس طرح کی قانون سازی اور عدالتی کاروائی کا سبب ہے، اس کے نتیجے میں بسا اوقات شوہر اور بچوں کے جائز مفادات بری طرح متأثر ہوتے ہیں، خصوصاً شوہر کا زبردست مالی اور خاندانی نقصان ہوتا ہے،

بسا اوقات عورت کے سر سے وقتی غصہ اور عجلت پسندانہ فیصلہ کا نشہ اترنے کے بعد اسے بھی اپنے عاجلانہ اقدام پر غیر معمولی ندامت ہوتی ہے لیکن شوہر ماضی کے تجربہ سے سبق حاصل کر کے اس عورت کو دوبارہ اپنے نکاح میں لینے کا خطرہ نہیں مول لینا چاہتا۔

اسباب طلاق کا دائرہ وسیع تر کرنے کی وجہ سے بہت سے مغربی ممالک میں نکاح طلاق کھیل تماشہ بن کر رہ گئے ہیں، ازدواجی رشتہ انتہائی ناپائیدار ہو گیا ہے، طلاق کی شرح حیرت انگیز رفتار سے بڑھ رہی ہے، روز روز کے نکاح و طلاق سے سب سے بڑا نقصان ان بچے بچیوں کا ہو رہا ہے جو ماں و باپ کی وقتی لطف اندوزی کے نتیجہ میں عالم وجود میں آتے ہیں، ماں و باپ کی محبت اور تربیت سے محروم ہو کر وہ بچے کندۂ ناتراش کی طرح زندگی گذارتے ہیں، طرح طرح کے امراض، بری عادات اور نفسیاتی و ذہنی الجھنوں کے شکار ہوتے ہیں، خواہ حکومت ان کی غذا، دوا اور تعلیم و تربیت کے کتنے اعلیٰ انتظامات کر دے، ماں و باپ کی محبت اور خاندانی تربیت سے محروم بچے جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے سماج کے لئے زبردست خطرہ بنتے جا رہے ہیں، یہ بچے بڑی آسانی سے جرائم پیشہ گروہوں کے چنگل میں آجاتے ہیں، منشیات اور بری عادات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان کی بہترین صلاحتیں ملک کی تعمیر و ترقی کے بجائے تخریبی کارروائیوں اور جرائم میں صرف ہوتی ہیں۔

عدالت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار سونپنے کے بعد اگر اسباب طلاق کا دائرہ قانونی طور پر انتہائی محدود رکھا جاتا ہے تو دوسری طرح کے سنگین مسائل پیدا ہوتے ہیں اور تجربہ بتاتا ہے کہ اس سے شرح طلاق میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، مثلاً اگر شوہر کو طلاق کا اختیار، عدالت صرف اس صورت میں دیتی ہے، جب شوہر عدالت میں بیوی کی بدکرداری یا اسی طرح کے کسی اور سنگین جرم کا ثبوت پیش کرے، اب اگر بیوی نے واقعتاً ایسے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے اور اس کا علم اور مشاہدہ صرف شوہر کو ہے کیوں کہ اس طرح کے جرائم عموماً بہت تنہائی میں انتہائی راز داری کے ساتھ کئے جاتے ہیں تو سچے گواہ کہاں

سے پیش کرے، پھر اس طرح کے اسباب طلاق کو عدالت میں زیر بحث لانا، وکیلوں اور ججوں کو بال کی کھال نکالنے کا موقع دینا کہاں تک عورت اور سماج کے مفاد میں ہے؟ پھر ہمارے ذرائع ابلاغ (میڈیا) خصوصاً صحافت ایسے سنسنی خیز رومانٹک مقدمات میں دلچسپی لے کر اپنا فروغ چاہتے ہیں، وہ ان سنہرے مواقع سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں گے، بہرحال عدالت کا فیصلہ جو بھی ہو بیچاری عورت تو خاندان اور سماج میں منہ دکھانے کے لائق نہیں ہوگی اور اگر بیوی نے بدکاری یا کسی ایسے سنگین جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے، جس کی بنا پر شوہر کو قانونی طور پر طلاق دینے کا حق ہے؛ لیکن بیوی کی چھوٹی چھوٹی اوچھی حرکتوں کی وجہ سے یا مزاج اور عادات میں عدم یکسانیت اور تضاد کی وجہ سے شوہر کے دل ودماغ میں بیوی کے تئیں نفرت بیٹھ چکی ہے اور اس کا دل کسی طرح بیوی کی طرف مائل نہیں ہوتا ایسی صورت میں شوہر کے سامنے دو ہی راستے ہیں اگر وہ یہ طے کرتا ہے کہ مجھے جھوٹ نہیں بولنا ہے اور جھوٹا مقدمہ نہیں قائم کرنا ہے تو یا تو وہ عدالت میں جائے گا نہیں اور اگر جائے گا تو ناکام ہوگا، ایسی صورت میں قانونی طور پر نکاح باقی رہے گا لیکن دونوں کے لئے فرحت وانبساط اور خوش گوار عائلی زندگی کا سبب بننے کے بجائے مصیبت اور سوہان روح بنے گا، روز روز کی کشیدگی اور خانہ جنگی سے خاندان اور سماج بھی تنگ ہو جائے گا، ایسا شوہر جس کے دل میں بیوی کے تئیں نفرت اور عداوت کے جذبات مستحکم ہو چکے ہوں ہوسکتا ہے کہ قانون کے ڈر سے بیوی کو نان ونفقہ مہیا کردے، لیکن وہ بیوی کو الفت ومحبت اور جنسی آسودگی کہاں سے دے سکتا ہے جب کہ اس کے دل ودماغ میں نفرت کے جذبات موجزن ہیں، ایسی صورت میں نکاح کا باقی رکھا جانا نہ ان دونوں کے حق میں ہے نہ سماج کے مفاد میں، خصوصاً اگر دونوں نوجوان ہیں تو بہت سے مفاسد کا خطرہ ہے، یا تو دونوں اپنی جنسی جذبات کا مسلسل خون کرتے رہیں یا جذبات کی سیل میں بہہ کر جنسی آسودگی کے ناجائز راستے تلاش کریں اور اپنی عصمت وعفت چاک کریں۔

اور اگر شوہر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجھے ہر قیمت پر اپنی ناپسندیدہ بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے خواہ مجھے کچھ بھی کر گزرنا پڑے تو معاملہ پہلی صورت سے بھی زیادہ سنگین ہوجاتا ہے، شوہر وکیلوں کے مشورہ سے بیوی پر بدکاری اور اس طرح کے دوسرے سنگین الزامات لگا کر طلاق کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے ان جھوٹے اور فرضی الزامات پر جھوٹے گواہ اور جعلی دستاویزات پیش کرتا ہے، اس دور میں جب کہ سماج سے مذہبی اور اخلاقی تعلیمات تیزی سے رخصت ہوتی جارہی ہیں اور دولت نے معبود کا مقام حاصل کرلیا ہے اور ہمارے بہت سے ذہین ترین وکلاء اور قانون دانوں کی بہترین دماغی صلاحیتیں گراں قدر فیس پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں لگی ہوئی ہیں، شوہر کے لئے سنگین جھوٹے الزامات کو عدالت میں ثابت کرنے کے لئے مشاق گواہوں اور ماہر قانون دانوں کی خدمات حاصل کرلینا کچھ مشکل نہیں، پھر عدالت کا فیصلہ جو بھی ہو شوہر کے بدترین الزامات نے عورت کا مستقبل تو تباہ کرہی دیا، اس کا کردار سماج اور خاندان کی نظر میں مشکوک ہوہی گیا، عورت کا اس سے بڑا نقصان کیا ہوسکتا ہے۔

اگر جھوٹا مقدمہ قائم کرکے شوہر کو ناپسندیدہ بیوی سے نجات کی امید نہیں ہوتی تو شوہر دوسرے مجرمانہ طریقے اختیار کرتا ہے، خدا جانے کتنی بے گناہ عورتیں دنیا کے مختلف ممالک میں اس لئے ماری یا جلائی جاچکی ہیں کہ ان کے شوہران سے نفرت کرتے تھے اور طلاق دینے کا راستہ قانونی طور پر ان کے لئے بند تھا، انھوں نے اپنی بیویوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کسی حادثہ کے پردے میں ان کی جان لے لی، خود ہمارے ملک میں عورتوں کو مارنے اور جلانے کے جو واقعات پریس میں آتے رہتے ہیں، ان میں جہیز اور تلک کے مطالبات کے علاوہ بہت سے واقعات میں ان ناپسندیدہ بیویوں سے نجات کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے جن سے رہائی عدالت کے ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتی، اب یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ (۱۰۰) عوتوں کا مطلقہ ہونا زیادہ فکرمندی اور تشویش کی بات ہے یا

پچاس عورتوں کا قتل کیا جانا اور جلایا جانا؟

سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ اور مسئلہ طلاق

چند سال پہلے ہماری سپریم کورٹ نے چار ہندو عورتوں کے دعویٰ پر جن کے شوہروں نے اسلام قبول کر کے نیا نکاح کر لیا تھا اپنا ہنگامہ خیز فیصلہ سنایا اور یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کی ہدایت دی، فاضل ججوں کی نظر میں ان چاروں ہندو عورتوں کے شوہروں نے اسلام قبول کرنے کا اقدام صرف اپنی ناپسندیدہ ہندو بیویوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کیا تھا، اگر فاضل ججوں کا یہ نقطۂ نظر درست ہے تو اس سے بڑے چونکا دینے والے حقائق سامنے آتے ہیں، سب سے اہم بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ ہندو کوڈ بل میں مناسب ترمیم کی جانی چاہئے، کیونکہ اس میں ذکر کردہ اسباب طلاق ہندو سماج کی طلاق کی ناگزیر ضرورتوں کو پورا نہیں کر پا رہے ہیں، ہندو کوڈ بل میں طلاق کا جو تصور شامل کیا گیا ہے اس میں مزید توسیع اور تبدیلی کی ضرورت ہے۔

ہمارے ہندوستانی سماج میں تبدیلی مذہب کوئی آسان کام نہیں ہے، تبدیلی مذہب کے بعد انسان اپنے خاندان اور سماج سے بالکل کٹ کر رہ جاتا ہے اور اس کے لئے بے شمار خطرات پیدا ہو جاتے ہیں خصوصاً اگر وہ ہندو سے مسلمان ہوا ہو، لہٰذا کوئی شخص ہندو مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرنے کی جرأت دو ہی صورتوں میں کر سکتا ہے۔

(۱) اپنے مطالعہ اور غور و فکر کے نتیجہ میں اس کا عقیدہ واقعتاً تبدیل ہو چکا ہو، اس کو اسلام کی صداقت اور حقانیت پر اس قدر پختہ یقین ہو چکا ہو کہ وہ اپنے سماج سے کٹنے اور خطرات میں کودنے پر ہر طرح آمادہ ہو؛ لیکن اپنے قدیم مذہب سے جسے وہ باطل اور بے بنیاد سمجھتا ہے وابستہ رہنا اسے گوارہ نہ ہو۔

(۲) اس کا عقیدہ تبدیل نہ ہوا ہو، عقیدہ کے اعتبار سے وہ ہندو ہی ہو، لیکن کسی شدید مخمصہ اور عذاب میں گرفتار ہو جس سے نجات کا راستہ صرف مذہب کی تبدیلی ہو، مثلاً

اپنی بیوی کی طرف سے اس کے دل میں شدید نفرت اور عداوت مستحکم ہو چکی ہے، وہ کسی حال میں اپنی بیوی کو اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا؛ لیکن ہندو کوڈ بل کے اعتبار سے اسے طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہے، اس لئے وہ اپنی بیوی سے نجات حاصل کرنے کے لئے مذہب تبدیل کرنے تک کا اقدام کر گذرنے پر آمادہ ہے؛ حالاں کہ اسے معلوم ہے کہ مذہب تبدیل کرنے پر اسے کن مصائب اور خطرات سے گذرنا پڑے گا؛ لیکن اپنی ہندو بیوی کو بیوی بنائے رکھنے کی مصیبت کے مقابلہ میں وہ تبدیلی مذہب کے خطرات ومصائب کو ہلکا سمجھتا ہے۔

ہندو کوڈ بل کا نقص

اس تجزیہ سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ ہندو کوڈ بل میں طلاق کے اسباب کا دائرہ انتہائی تنگ ہے، اس سے ہندو سماج کی طلاق کی واقعی ضرورتیں پوری نہیں ہو پاتی ہیں، اس لئے بہت سے تعلیم یافتہ، متمول ہندو مرد بھی اپنی بیویوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کرنے تک کا آخری اقدام کر گذرتے ہیں، اس پیچیدہ صورت حال کا صحیح حل یہ ہے کہ ہندو کوڈ بل میں مناسب ترمیمات کر کے اسباب طلاق کا دائرہ وسیع کیا جائے یا شوہر کو طلاق کا حق دیا جائے، یکساں سول کوڈ کا نفاذ اس مشکل کا حل نہیں ہے، یکساں سول کوڈ نافذ کرنے سے یہی تو ہوگا کہ ایسے شوہر جو اپنی بیویوں سے اس حد تک بیزار ہیں وہ مذہب تبدیل کر کے بھی اپنی ناپسندیدہ بیویوں سے نجات حاصل نہیں کر پائیں گے تو کیا اس سے بیویوں کی مشکل حل ہو جائے گی، جو شوہر اپنی بیوی سے اس حد تک بیزار و ناراض ہے کہ اس کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے تبدیلی مذہب تک کا آخری قدم اٹھانے میں اسے تامل نہیں اس کے گھر میں اس بیوی کا گزارہ نہیں ہو سکتا، اس طرح ہندو عورتوں پر مظالم میں بے پناہ اضافہ ہوگا اور افسوس ناک اعداد و شمار کا پارہ چڑھتا ہی جائے گا کوئی بھی عدالت ان مظالم کو روک نہیں پائے گی۔

ابھی کچھ دنوں پہلے یہ شرمناک خبر اخباروں میں چھپی کہ ایک ہندو شوہر نے اپنی

بیوی کے ساتھ اپنے بھائی اور بھتیجے سے جبری زنا کاری اس لئے کرائی کہ وہ بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا، اور عدالت میں بیوی کو ''بدچلن'' اور فاحشہ ثابت کئے بغیر ہندو کوڈ بل کے مطابق شوہر کو طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوسکتا۔

ہمارے مذکورہ بالا تجزیہ سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ طلاق کا اختیار کلیۃً عدالت کے ہاتھ میں دے دینا میاں و بیوی کے مفاد میں ہے نہ سماج کے مفاد میں، نہ اس سے شرح طلاق میں کمی آتی ہے، نہ اس سے طلاق کی واقعی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، صرف اتنا ہوتا ہے کہ حریم راز کے معاملات راز رہنے کے بجائے سر عدالت افشاء ہوجاتے ہیں اور عام وخاص میں موضوع گفتگو بن جاتے ہیں، اس میں مرد اور عورت دونوں کی رسوائی ہوتی ہے خصوصاً عورت کی، اس سے ہزار درجہ بہتر تو یہ تھا کہ نباہ نہ ہونے کی صورت میں خاموشی اور خوش اسلوبی کے ساتھ نکاح کا رشتہ ختم کردیا جاتا، تاکہ دونوں کی حد درجہ بدنامی نہ ہوتی اور دونوں کے خانگی اور ازدواجی راز افشاء نہ ہوتے۔

میاں و بیوی کی رضامندی سے طلاق

اوپر کے صفحات میں اس نکتہ پر بحث کی گئی کہ طلاق کا اختیار کلیۃً عدالت کو سونپ دینا میاں و بیوی اور سماج کے مفاد میں نہیں، اس سے طلاق کی واقعی ضرورتیں پوری بھی نہیں ہوتیں، اب ہم اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ طلاق کا اختیار مشترکہ طور پر میاں و بیوی کو دیا جانا کیسا ہے یعنی یہ قانون بنا دینا کہ دونوں کی رضامندی اور اتفاق رائے ہی سے طلاق ہوسکے گی، تنہا ان میں سے کسی کو نکاح ختم کرنے یا کرانے کا اختیار نہیں ہوگا، کیسا ہے؟ اس سے تو اختلاف نہیں کیا جاسکتا کہ شوہر اور بیوی اگر باہمی اتفاق سے نکاح ختم کرنے کا فیصلہ کریں تو انھیں اس کا اختیار ملنا چاہئے، شریعت اسلامی نے میاں اور بیوی کو اس کا اختیار دیا ہے، اسے خلع کہا جاتا ہے لیکن طلاق کو اسی صورت میں محدود کرنا کسی طرح مناسب نہ ہوگا، ایسے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں کہ شوہر اور بیوی میں سے ایک ہر حال میں نکاح ختم کرنا چاہتا ہے اور دوسرا اس کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے، اس طرح

کے ہزاروں اور لاکھوں واقعات میں طلاق نہیں ہو پائے گی؛ حالانکہ میاں و بیوی میں سے ایک سخت آزردہ اور بیزار ہے اور اس کے دل میں دوسرے کے تئیں نفرت کے جذبات مستحکم ہو چکے ہیں، اور رشتۂ نکاح اسی وقت کامیاب اور بارآور ہوسکتا ہے جب دونوں کے دل ملے ہوئے ہوں، دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور احترام کے جذبات ہوں، دونوں ایک دوسرے پر کامل اعتماد کرتے ہوں، لہٰذا یہ پابندی عائد کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ نکاح کا خاتمہ میاں و بیوی کے باہمی اتفاق ہی سے ہوسکتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بیزار فریق دوسرے فریق سے نجات حاصل کرنے کے لئے بہت سے ناروا اور ہلاکت آفریں کام کرے گا۔

طلاق کا اختیار مرد ہی کو کیوں؟

اسلام کے نظام طلاق میں طلاق کا اختیار مرد کو تفویض کیا گیا ہے، عورت کو یہ اختیار ضرور ہے کہ شوہر اگر اس کے حقوق کی ادائیگی نہ کر رہا ہو یا اس پر مظالم کر رہا ہو تو قاضی کی عدالت میں رفع ظلم یا فسخ نکاح کا مطالبہ کرے؛ لیکن اسے از خود نکاح ختم کرنے کا اختیار اسلام نے تفویض نہیں کیا، طلاق کے بارے میں مرد کو با اختیار بنانے اور عورت کو با اختیار نہ بنانے میں اسلام کی کیا مصلحت ہے، اس سلسلے میں اسلامی قانون کن حکمتوں پر مبنی ہے اس کی وضاحت ذیل کی سطروں میں کی جائے گی۔

طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں دینے کی معنویت سمجھنے کے لئے ازدواجی زندگی میں مرد اور عورت کی ذمہ داریوں پر ایک اجمالی نظر ڈالنی ہوگی، اسلامی قانون میں نکاح کے بعد تمام مالی ذمہ داریوں کا بوجھ شوہر کو اٹھانا ہوتا ہے، مہر کے عنوان سے ایک خطیر رقم اسے بیوی کو دینی ہوتی ہے، شادی کے اخراجات دعوت ولیمہ وغیرہ وہی کرتا ہے، بیوی کی معقول رہائش اور خرچ کا بندوبست اسے کرنا پڑتا ہے، نابالغ بچوں اور بچیوں کا تمام خرچ اسے ہی برداشت کرنا ہوتا ہے، گھر کے روزمرہ کے کام کی قانونی ذمہ داری بھی عورت کے سر نہیں مرد ہی اس کا بھی ذمہ دار ہے، یہ الگ بات ہے کہ عورت از خود ہی گھریلو کاموں کی ذمہ داری

اپنے سر لے اور اس طرح مرد کی آمدنی کا ایک معقول حصہ خرچ ہونے سے بچالے، اس کے برخلاف عورت پر نکاح کے بعد کوئی مالی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ مہر اور ہدیہ تحائف کے ذریعہ اس کا مالی نفع ہی ہوتا ہے، غرض یہ کہ گھر بسانے اور آباد کرنے میں تمام مالی ذمہ داریاں شوہر کے ذمہ آتی ہیں، طلاق کے بعد بھی مالی طور پر شوہر ہی گراں بار ہوتا ہے، مہر کی ادائیگی اگر نہیں کی گئی تو طلاق کے بعد فوری طور پر اس کی ادائیگی کرنی ہوتی ہے، زمانۂ عدت کا نفقہ واجب الاداء ہوجاتا ہے، اگر بچیاں اور نابالغ بچے ہیں تو ان کے اخراجات بھی تنہا شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں، نابالغ بچے جب تک مطلقہ ماں کی پرورش میں رہیں گے شوہر مطلقہ بیوی کو پرورش کی اجرت دے گا، طلاق کے بعد پھر نئے نکاح کا مرحلہ درپیش ہوگا اور اس میں بھی مہر، ولیمہ وغیرہ میں مرد کو اچھا خاصا خرچ کرنا پڑے گا، اس طرح طلاق کے نتیجے میں مرد پر بھاری مالی زد پڑتی ہے، اس کے برخلاف اگر اسلامی تعلیمات پر صحیح طور پر عمل ہو تو طلاق سے عورت کا زیادہ مالی نقصان نہیں ہوتا؛ بلکہ بعض پہلوؤں سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہی ہوجاتا ہے۔

نکاح اور طلاق سے وابستہ تمام مالی ذمہ داریاں شوہر کے ذمہ ہونے کی وجہ سے اس کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے کہ شوہر طلاق کا اختیار انتہائی مجبوری میں اور بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرے گا، کیوں کہ وہ اس اقدام کے عواقب ونتائج اور اپنی مالی گراں باری کو ذہن میں رکھ کر طلاق دینے سے پہلے بار بار سوچے گا۔

رہا یہ سوال کہ اسلام نے نکاح وطلاق سے وابستہ مالی ذمہ داریوں کا تمام تر بوجھ شوہر کے کندھوں پر کیوں رکھ دیا اور بیوی کی مالی ذمہ داریوں میں شریک کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب تلاش کرنے کے لئے مرد اور عورت کے فرض منصبی اور میدان کار کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر سمجھنا ضروری ہے، اور اس نکتہ کی وضاحت کے لئے مستقل گفتگو کی ضرورت ہے۔

طلاق کا اختیار بیوی کے بجائے شوہر کے ہاتھ میں دینے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر مرد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ متحمل، دور اندیش، غصہ کو پی جانے والے اور

قوی الاعصاب ہوتے ہیں، اس کے برعکس عموماً عورتیں زیادہ زود رنج، عجلت پسند اور منفعل ہوتی ہیں، طلاق کے بارے میں عورتوں کو بااختیار بنادینے میں اس کا زیادہ خطرہ ہے کہ وقتی شکوہ شکایتوں کا ضرورت سے زیادہ اثر لے کر اپنے غصہ پر کنٹرول نہ کرسکیں اور معمولی بات پر طلاق کا سنگین اقدام کر گزریں؛ چنانچہ شیخ ابوزہرہ کے مطابق جو عورتیں نکاح کے وقت شوہر سے اپنے لئے طلاق کا حق تفویض کرالیتی تھیں ان میں طلاق کا تناسب شوہروں سے بہت زیادہ تھا، مرد اور عورت کی مساوات کا خواہ کتنا ہی ڈنکا بجایا جائے؛ لیکن دونوں کے ذہن ومزاج کے فرق کو مٹایا نہیں جاسکتا ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض عورتیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ متحمل، دور اندیش، قومی الاعصاب ہوتی ہیں؛ لیکن قانون تو عام صورت حال کے مطابق بنتا ہے نہ کہ استثنائی واقعات کو بنیاد بنا کر، عورت کے ہاتھ میں طلاق کا کامل اختیار نہ ہونے کے باوجود اسلام نے زیادہ سے زیادہ اس بات کو یقینی بنانا چاہا ہے کہ ازدواجی زندگی میں عورت کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ ہو اور شوہر کی طرف سے مظالم یا عدم ادائے حقوق کی صورت میں عورت قاضی کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔

فسخ نکاح بذریعہ قاضی

عورت جن اسباب کی بنا پر نکاح فسخ کراسکتی ہے ان کا دائرہ کافی وسیع ہے مثلاً شوہر کا لاپتہ ہونا (مفقود ہونا) غائب ہونا، نان ونفقہ ادا نہ کرنا، حقوق زوجیت ادا نہ کرنا، شوہر کا مجنون یا نامرد ہونا، تکلیف دہ مار پیٹ کرنا، شوہر کا کسی ایسے سنگین یا متعدی مرض میں مبتلا ہونا جس سے خود عورت کو خطرہ لاحق ہو وغیرہ، امام دارالہجرت، حضرت امام مالکؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ میاں وبیوی کے ازدواجی جھگڑے میں فریقین اور گواہوں کے بیانات کے بعد اگر یہ بات واضح نہ ہوسکی ہو کہ کس فریق کی زیادتی ہے، یعنی عورت سبب فسخ کے بارے میں اپنا دعویٰ ثابت نہ کرسکی ہو؛ لیکن قاضی کو مقدمہ کی کاروائی کے بعد یقین ہو چکا ہو کہ دونوں کے درمیان اختلافات کی خلیج اتنی گہری اور وسیع ہو چکی ہے کہ اسے پاٹا نہیں جاسکتا اور نکاح باقی رکھنے میں

مقاصد نکاح پورے ہونے کے بجائے مفاسد پیدا ہونے کا پورا خطرہ ہے تو وہ عورت کے مطالبہ پر نکاح فسخ کردے گا۔

اور اگر عورت کے دست نازک میں طلاق کی تلوار دینے ہی پر اصرار ہے تو فقہ اسلامی کے اعتبار سے اس کی بھی گنجائش ہے، اگر نکاح کرتے وقت یا نکاح کے بعد شوہر کی طرف سے بیوی کو یا کسی تیسرے شخص کو طلاق تفویض کرالی جائے تو طلاق واقع کرنے کا اختیار عورت اور اس تیسرے شخص کو بھی حاصل ہوجائے گا اور آئندہ کسی بھی وقت شوہر اس حق کو واپس نہیں لے سکتا۔

طلاق کے بارے میں ضروری ہدایات

شوہر کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دینے کے ساتھ اسلام نے طلاق کے بارے میں ایسی ہدایات جاری کی ہیں کہ اگر ان کا خیال رکھا جائے تو حق طلاق کا استعمال انتہائی مجبوری میں اور اس مرحلہ میں ہوا کرے جب اصلاح حال اور ملاپ کے سارے امکانات ختم ہوچکے ہوں پھر اسلام نے طلاق دینے کا جو طریقہ سکھایا ہے اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو میاں وبیوی کے درمیان باعزت ملاپ کی راہیں کھلی رہیں گی۔

کتاب وسنت میں طریقۂ طلاق کے بارے میں جو بنیادی ہدایات دی گئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

(ا) جس عورت سے نکاح کے بعد ایک بار بھی شوہر کے تعلقات زن وشوئی قائم ہوچکے ہوں، ایسی عورت کو طلاق دینے کے لئے شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ حیض گذرنے کے بعد جب طہر (پاکی) کے ایام شروع ہوں اور شوہر نے اس طہر میں ابھی جنسی تعلق قائم نہ کیا ہو اس میں ایک طلاق رجعی دینے پر اکتفا کرے، زمانہ حیض میں طلاق نہ دے اور اس زمانہ طہر میں بھی طلاق نہ دے جس میں جنسی تعلق قائم کرچکا ہو، زمانہ حیض میں عورت پاک صاف نہیں ہوتی، اس سے جنسی تعلق قائم کرنے پر پابندی ہوتی ہے اس لئے شوہر کو اس سے کچھ کھنچاؤ اور دوری ہوسکتی ہے، اسی طرح جب طہر میں شوہر نے ایک دوبار جنسی تعلق قائم

کرلیا ہے تو بیوی کی طرف اس کی رغبت کمزور پڑ جاتی ہے، اس کے برخلاف حیض کے بعد جب عورت کی پاکی کے ایام شروع ہوتے ہیں اور ابھی شوہر نے اس طہر میں ایک بار بھی جنسی تعلق قائم نہیں کیا ہے تو بیوی کی طرف اس کی رغبت بہت شدید ہوتی ہے، اس زمانۂ رغبت میں اس کا طلاق دینا اس بات کی ضمانت ہے کہ شوہر کا دل بیوی سے بالکل ہٹ چکا ہے اور اس نے انتہائی مجبوری ہی میں طلاق کا قدم اٹھایا ہے۔

(۲) طلاق کے بارے میں دوسری ہدایت یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی دینے پر اکتفا کرے یہ طلاق کا سب سے بہتر طریقہ ہے، ایک طلاق رجعی پر اکتفا کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر شوہر کو طلاق دینے کے بعد ندامت ہوئی تو وہ زمانۂ عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے، رجوع کرنے سے نئے نکاح اور مہر کے بغیر اس کا نکاح پہلے کی طرح قائم رہے گا۔

اور اگر اس نے دوران عدت رجوع نہیں کیا تو عدت مکمل ہوتے ہی رشتۂ نکاح ختم ہوجائے گا؛ لیکن اگر دونوں دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو نیا نکاح کرسکتے ہیں۔

(۳) اگر شوہر تین طلاق ہی دینا چاہتا ہے تو شریعت نے اس کا یہ طریقہ سکھایا ہے کہ ایک طہر میں جس میں اس نے بیوی سے جنسی تعلق قائم نہیں کیا ہے ایک طلاق رجعی دے، اس کے بعد کم وبیش ایک ماہ کے وقفہ سے جب حیض کے بعد دوسرا طہر شروع ہو دوسری طلاق دے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے، دوسری طلاق کے بعد بھی زمانۂ عدت کے اندر اندر شوہر رجوع کرسکتا ہے، رجوع کرنے سے نکاح پہلے کی طرح باقی رہے گا اور اگر دوسری طلاق پر اکتفا کیا اور زمانۂ عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تو دونوں کی رضامندی سے دونوں کا دوبارہ پھر نکاح ہوسکتا ہے۔

تیسری طلاق کے بعد نہ شوہر رجوع کرسکتا ہے، نہ دونوں کا آپس میں دوسرا نکاح ہوسکتا ہے خواہ دونوں اس کے لئے راضی اور خواہشمند ہوں۔

(۴) اسلامی شریعت نے طلاق کا مذکورہ بالا طریقہ اسی لئے سکھایا تھا تا کہ میاں وبیوی کو معاملات کو سلجھانے، تعلقات درست کرنے اور اپنی کوتاہی کی تلافی کا زیادہ سے

زیادہ موقع مل سکے۔

(۵) طلاق کی تعداد تین میں محدود کر کے شریعت اسلامی نے عورتوں کے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے اور ازدواجی زندگی کو بچوں کا کھیل تماشہ بنانے سے بچایا ہے، اسلام سے پہلے عربوں میں طلاق کی کوئی تعداد متعین نہیں تھی، ہر طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کا اختیار حاصل تھا، بہت سے شوہر اپنی بیویوں کے اوپر اس طرح ظلم کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کو طلاق دینے کے بعد عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے، اس کے بعد دوسری طلاق دیتے پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے اس طرح طلاق دینے اور رجوع کرنے کا سلسلہ بہت مدت تک جاری رکھتے، سالہا سال تک عورت کے دن اس طرح گزرتے کہ نہ اسے ظالم شوہر سے رہائی ملتی نہ بیوی کی حیثیت سے زندگی گذارنے کا موقع ملتا، اسلام کے اس فیصلہ سے کہ تین طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کا اختیار حاصل نہ ہوگا اور دونوں کے درمیان نیا نکاح بھی نہیں ہوسکتا عورتوں پر ان مظالم کا سلسلہ بند ہو گیا جو شوہر کو طلاق اور رجوع کے غیر محدود اختیارات حاصل ہونے سے وجود میں آرہے تھے اور نکاح کا احترام وتقدس بحال ہو گیا۔

(٦) طلاق کے بارے میں اسلامی ہدایات اور تعلیمات کی خلاف ورزی کرنا سخت گناہ ہے، مثلاً زمانۂ حیض میں طلاق دینا، ایک ہی طہر میں ایک سے زائد طلاق دینا، ایک مجلس میں تین طلاق دینا، حضرت عمرؓ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ ایک ساتھ تین طلاق دینے والوں کو سزا دیتے۔

دور حاضر میں دین سے ناواقفیت اور خدا سے بے خوفی کی وجہ سے اسلام کے سکھائے ہوئے طریقۂ طلاق کی خلاف ورزی بہت بڑھ گئی ہے، بہت سے جاہل مرد یہ سمجھتے ہیں کہ تین بار طلاق دیئے بغیر طلاق پڑتی ہی نہیں اس لئے تین طلاق دے ڈالتے ہیں، بعض مرد زمانہ حیض میں طلاق دیتے ہیں، بعض معمولی خفگی پر طلاق کا اقدام کر گذرتے ہیں، اس سلسلے میں دو کاموں کی سخت ضرورت ہے۔

(۱) مسلمانوں سے دین کی جہالت دور کی جائے، ان میں نکاح وطلاق کے مسائل کا صحیح شعور پیدا کیا جائے، یہ بات ذہن نشین کرادی جائے کہ بے ضرورت طلاق دینا اور ضرورت پڑنے پر اسلام کے سکھائے ہوئے طریقہ کے خلاف طلاق دینا سخت گناہ ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں سخت پکڑ ہوگی۔

(۲) ایسا سماجی دباؤ پیدا کرنا کہ لوگ نکاح وطلاق کو تماشہ نہ بنالیں، بے ضرورت اور غلط طریقہ پر طلاق دینے کی جسارت نہ کریں، خلاف ورزی کرنے والوں کو مناسب سزا بھی دی جانی چاہئے اور اگر ضرورت ہو تو سماجی بائیکاٹ سے بھی کام لیا جاسکتا ہے، برائیوں کا سدباب محض قانون کے ذریعہ نہیں ہوسکتا، بسا اوقات سماجی دباؤ برائیوں کو روکنے میں قانون سازی سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے، مستند اصحاب افتاء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ احکام طلاق کی خلاف ورزی کرنے والوں کو مناسب سزا دی جائے یا ان کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ کی خدمت میں پیش کردہ ایک استفتاء اور اس کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔

تین طلاق کے بے جا استعمال پر تعزیر واجب ہے

سوال:- آجکل معاشرہ میں ابغض الحلال الی اللہ کی بہتات ہے، اس کے باعث اعتداء حدود اللہ، نشوز ذہن اور کثرت بغاوت ہے، بہرحال مرد کی جانب سے جائز طلاق تو محل کلام نہیں، تحقیق طلب امر یہ ہے کہ بغیر عذر شرعی مرد کا طلاق دے دینا یعنی ظالم بھی خود اور طلاق دینے پر جری بھی خود، ایسی صورت میں طلاق شرعاً تعزیری جرم ہے یا نہیں؟ تعزیر سے مراد ہے کہ اہل قبیلہ وبرادری ایسے شخص سے نفرت بالقلب کے علاوہ معاشرتی مقاطعہ بھی کریں؛ تاکہ احکام الٰہیہ سے مذاق کا سلسلہ ختم ہو، تو آیا

یہ مقاطعہ یعنی معاشرتی ترک تعلق جائز ہوگا کہ نہیں؟ جواب سے
تشفی فرمائیں، **جزاکم اللہ تعالیٰ جزاءً حسناً۔**

الجواب باسم ملہم الصواب:- آجکل کے دستور طلاق میں کئی معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے، طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اصلاح ذات البین کی کوشش کی جائے، مایوسی کی صورت میں اہل صلاح سے استشارہ واستخارہ کیا جائے، اس کے بعد بھی طلاق ہی میں خیر نظر آئے تو حیض کے بعد قبل الوطی صرف ایک طلاق رجعی دی جائے، اس کے برعکس آجکل طلاق میں مندرجہ ذیل معاصی کا ارتکاب لازم ہوگیا ہے :

(۱) بدون غور وفکر جلد بازی۔
(۲) اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔
(۳) خاندان کے بااثر وباصلاح اشخاص سے مشورہ نہیں لیا جاتا۔
(۴) استخارہ نہیں کیا جاتا۔
(۵) حیض سے فراغت کا انتظار نہیں کیا جاتا۔
(۶) بیک وقت دو تین بلکہ تین ہی طلاقیں لازم سمجھی جاتی ہیں۔
(۷) تین طلاقیں دینے کے بعد جب کوئی صورت واپسی کی نہیں ہوتی تو حلالۂ ملعونہ سے کام لیا جاتا ہے، اور بعض تو لعنت حلالہ کی بجائے عمر بھر لعنت زنا میں مبتلا رہتے ہیں۔

ان وجوہ کی بنا پر طلاق کا مروّج دستور بلاشبہ واجب التعزیر جرم ہے، حکومت پر فرض ہے کہ ایسے جرم پر عبرتناک سزا دے، حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ کی تعزیر مناسب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(احسن الفتاویٰ: ۵/۱۹۴-۱۹۵)